حکم و عبر

محمد سعید الرحمٰن علوی

فرقہ واریّت — آج کا سنگین مسئلہ

اِس سے نجات کی کیا شکل ہو؟

کچھ عرصہ سے ہمارے یہاں ایک مسئلہ بہت ہی نازک شکل اختیار کر چکا ہے —— اور وہ ہے فرقہ وارانہ مسئلہ —— ہم نے مختلف مواقع پر اس کی سنگینی کے متعدد مظاہر دیکھے۔ دو سال قبل شاہی مسجد لاہور کی مجلس قرأت کے حوالہ سے لاہور میں جو کچھ ہوا اور دو ماہ سے زائد "اسلامیانِ پاکستان" عدالتی ٹربیونل میں جس طرح حلف اٹھا اٹھا کر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کہتے رہے، اس کا ہمیں ذاتی مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ کیونکہ ۲، ۲ ابتدائی دن چھوڑ کر اس پوری کارروائی کو ہم نے بچشم خود دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا۔ رمضان المبارک کا پورا مہینہ —— وہ محترم اور مقدس مہینہ —— اسی حال میں گذرا کہ صبح ۸ بجے سے بسا اوقات ۲، ۴ بجے تک ہم وہاں رہے —— خوف اور ڈر محسوس ہوتا تھا کہ اس کذب بیانی، دروغ بافی پر عذابِ الٰہی ٹوٹ نہ پڑے، عدالت کی چھت گر نہ جائے —— پھر سوچتے کہ آخر یہ بھی عذاب کی ایک شکل ہے —— ! قرآن عزیز میں "الانعام" آیت ۶۵ میں ہے "اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ" (یا تم کو کئی فرقے کر کے آپس میں بھڑا دے اور تم میں بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے)۔

اس بیسویں صدی میں —— سائنسی صدی میں، جبکہ حضرتِ انسان شمس و قمر پر کمندیں پھینک رہا ہے، ہمارے یہاں ان عجیب و غریب معاملات نے زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ اور پھر یہ معاملہ یہیں تک محدود نہیں، اہلِ اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن دانایانِ فرنگ کے دیس "یورپ" تک میں یہ وبا پہنچ چکی ہے۔ اور بُری طرح وہاں پھیل کر مسلمانوں کی "سوختہ سامانی" کا اہتمام کر رہی ہے —— حالیہ عید الاضحیٰ کے دن عین نمازِ عید کی ادائیگی کے وقت مانچسٹر (برطانیہ) کی مسجد کے گیٹ پر "ایک مسلمان دوسرے مسلمان" کے ہاتھوں قتل ہو گیا، یہ حرکات وہ لوگ کر رہے ہیں جن کے آقا و قائد محمد عربی علیہ السلام نے انسانیت

کے احترام سے آگے بڑھ کر حیوانات تک سے حُسنِ سلوک کا سبق پڑھایا تھا، اور یہ حرکتیں ہو رہی ہیں ان دیار میں جو اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن، ان کی آزادی کے دشمن اور صدیوں ان پر مسلط رہ کر خونی حرکات کرنے والے ہیں ـــــ جن مسلمانوں کے آباء و اجداد نے اپنے خون کا نذرانہ دے کر اپنے اپنے ممالک بالخصوص برِعظیم ہند و پاک میں دانایانِ فرنگ کو ناک چنے چبوائے تھے ـــــ وہ مسلمان آج ان کی دھرتی پر اپنے "اسلامی اخلاق" کا اس طرح مظاہرہ کر رہے ہیں کہ سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔

اسی پر بس نہیں، حرمین شریفین کی تقدیس کو پامال کرنے کی غرض سے انہی دیار میں جن کانفرنسوں کا اہتمام ہو رہا ہے، جن میں جی بھر کر سعودی حکومت کو گالیاں دی جاتی ہیں اور اس معاملہ میں ایران کے خونی حکمرانوں کا تعاون تک حاصل کرنے سے گریز نہیں کیا جاتا۔

یہ فرقہ دارانہ مسئلہ اب جس حد تک سنگین شکل اختیار کر چکا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب ریڈیو اور ٹی وی پر اس قسم کے سوالات ہونے لگے ہیں، جیسا کہ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۵ء کو کراچی ٹی وی سے "تفہیم دین" کے پروگرام میں پروفیسر حسنین کاظمی صاحب نے معروف صحافی صلاح الدین صاحب سے اس ضمن میں ایک سوال کیا۔

ہمارا احساس ہے اور اس احساس کو ہم چھپانا نہیں چاہتے کہ یہ مسئلہ ہمارے ہاں پیدا ہوا نہیں پیدا کیا گیا اور اس کی پیدائش اس دور میں ہوئی جب ہمارے یہاں غیر ملکی تسلط تھا، مغلیہ خاندان کی عظمت خاک میں مل چکی تھی۔ علماء، صلحاء، تاجر اور نواب، مزدور اور کسان، الغرض زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق غیرت مند اور جسور و غیور مسلمان پھانسی پر لٹکائے جا چکے تھے اور لٹکائے جا رہے تھے۔ تو شملہ کی پہاڑیوں پہ شیاطینِ فرنگ نے اِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـئِہِمۡ (الانعام ۱۲۱)" کے قرآنی ارشاد کی یاد تازہ کی ہے۔ اپنی کردہ پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" ـــــ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کچھ "اہلِ علم"، "کچھ اہلِ صلاح" اور اسی طرح کے مختلف افراد کو شیشہ میں آتارا ـــــ کچھ افکار گھڑے گئے اور کچھ معتقدات بنائے گئے ـــــ پھر انہیں کچھ افراد اور جماعتوں کے کھاتے میں ڈالا گیا اور تعزیہ و تحریر کے ذریعہ ان کا خوب ڈھنڈورا پیٹا۔ یہ اتفاق نہیں بلکہ سوچی سمجھی سکیم تھی کہ من گھڑت افکار و معتقدات ان کے کھاتے میں ڈالے گئے جو فکری اور عملی طور پر اپنی آزادی کے لئے جد و جہد کر رہے تھے۔ ـــــ پھر کیا ہوا؟ کتابیں، جوابی کتابیں، مناظرے اور مجادلے ـــــ بیسوں

صدی میں تحریکِ خلافت ایک ایسی تحریک تھی جس میں مسلمان چھوڑ غیر مسلم بھی ایک لڑی میں پرو دیئے جا چکے تھے۔ اور محسوس ہو رہا تھا کہ انگریز کا یہاں سے بستر بوریا اٹھ جائے گا بلکہ عالمی سطح پر انگریز سامراج کو اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑے گی لیکن ہوا یہ کہ خلافت کی تحریک سبوتاژ ہوئی اور کچھ خانوادے اور طبقات سامنے آکر عجب عجب گل افشانیاں کرنے لگے۔ وہ دن اور آج کا دن ——— یہ بدقسمت قوم اسی طرح الجھاؤ اور انتشار کا شکار ہے ——— بعض مواقع پر ان کے مختلف الفکر رہنماؤں نے "اتحاد و اتفاق" کا مظاہرہ کیا بھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ دکھلاوا تھا، حقیقت نہ تھی ——— صدیوں قبل قرآن عزیز نے جو نقشہ کھینچا تھا وہ سامنے آیا۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى (الحشر-۱۴)

اس کا مظاہرہ ہم نے ۱۹۷۷ء کی اس عظیم الشان تحریک میں دیکھا جو نوابزادہ نصر اللہ خان کے بقول خلافت کے بعد سب سے بڑی تحریک تھی، جس میں ہر طبقہ کے افراد متحد العمل تھے ——— لیکن اتنی بڑی تحریک ناکامی پر منتج ہوئی تو ہمارے نزدیک اس کا سب سے بڑا سبب اور عامل اس کے رہنما تھے جو "جمہوریت کی بحالی اور بنیادی حقوق کے تحفظ" کی غرض سے باہم مل کر سوچتے، اجلاس کرتے، مشاورت کرتے، لیکن اسی دوران جب احکم الحاکمین کے حضور جھکنے کا وقت آتا اور ادائیگی سجدہ کے لئے مسجد کا منادی پکارتا تو ان رہنمایانِ قوم میں سے اکثر کی حالت یہ ہوتی کہ وہ اس فریضہ سے یکسر ناآشنا اور غافل ہوتے ——— اور جو اس کا اہتمام کرتے وہ مسجد جانے کی زحمت گوارا نہ کرتے، بلکہ وہیں دفتر کے آنگن میں اس طرح کھڑے ہوتے کہ ایک جماعت ایک رُخ پر ہو رہی ہے تو دوسری جماعت دوسرے رُخ پر ——— یہ باتیں دیکھ کر ہمارا دل کڑھتا، ہم سوچتے کہ اس قوم کا کیا بنے گا۔ رہ رہ کر اس دور کے وزیرِ اعظم بھٹو مرحوم کی بات ہمارے ذہن میں گونجتی کہ ان لوگوں کا اجتماع صرف میرے سبب سے ہے۔ ورنہ یہ لوگ کبھی اکٹھے نہ ہو سکیں گے۔ پھر وہی ہوا چشمِ فلک نے دیکھا کہ کراچی کے نشتر پارک میں لاکھوں انسانوں کے سامنے ہاتھ بلند کر کے اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر باہم متحد رہنے کا عزم کرنے والے، چندے بعد اس طرح الجھے کہ الاماں ———!

انگریز کے دَور کے لَد جانے کے بعد بھی حکومتی سطح پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش نہ کی گئی۔ حکمرانوں نے یہ نہ سوچا کہ ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر لیا ہے اور ہماری ذمہ داریوں میں منکرات کو مٹانا شامل ہے اور یہ بات سب سے بڑا "منکر" ہے۔ بلکہ سفید انگریز کے سیاہ فام جانشینوں نے اسی "مسلکِ افرنگ" کو اپنایا۔ وہی پالیسی جاری رکھی، تاآں کہ وہ دور آگیا، جس میں آج ہم بس رہے ہیں ——— بعض

لوگوں کے نزدیک اس دور کی ابتدا بڑی حسین تھی لیکن مفتی محمود قدس سرہٗ جیسے لوگ تجربہ کے بعد محسوس کرنے لگے کہ یہ سب سراب ہے ـــــ اور امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد بھی نیک توقعات کے ساتھ "مجلس شوریٰ" میں گئے لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا اور پھر ڈاکٹر صاحب نے جرأت و بے خوفی سے نہ صرف استعفیٰ دیا بلکہ ایک خط کے ذریعے حقائق کی قلعی کھول دی ـــــ کہنا یہ ہے کہ یہ دور جس میں اسلام اور اسلامی روایات کا اس قدر چرچا ہوا ـــــ اس دور میں سرکاری سطح پر جس قدر اس مسئلہ کی حوصلہ افزائی ہوئی وہ ایک شرمناک معاملہ ہے ـــــ کس قدر ستم ہے کہ :

> یہاں شریعت کورٹ قائم ہوئی تو فرقوں کی بنیاد پر اس میں ججوں کا تقرر ہوا، پھر جب سپریم کورٹ میں شریعت اپیلیٹ بنچ قائم ہوا تو اس میں یہی روایت اپنائی گئی۔ مجلس شوریٰ میں، اسلامی نظریاتی کونسل میں، رویت ہلال کمیٹی میں، اوقاف میں صوبائی اور ضلعی سطح پر خطباء کے تقرر میں، ریڈیو، ٹی وی کے مذہبی (!) حسن قرأت اور اس نوع کے جملہ پروگراموں میں یہی کچھ ہونے لگا۔ اس کی سب سے خوفناک شکل اب یہ سامنے آئی ہے کہ حکومت نے مدارس عربیہ کی سندات کو ایم۔اے کے برابر تسلیم کیا (یہ الگ مسئلہ ہے کہ ان کا واقعاتی فائدہ سامنے نہیں آرہا) لیکن اس میں چار عدد تنظیموں کو حق نمائندگی بخشا گیا۔ وفاق المدارس العربیہ، تنظیم المدارس العربیہ، وفاق المدارس السلفیہ اور شیعہ تنظیم المدارس ـــــ گویا تعلیم جیسا بنیادی شعبہ جس کے ذریعہ جہالت اور تاریکی کے پردے چھٹتے ہیں، اس کو یہ رنگ دے دیا گیا ہے ـــــ فیاللعجب ویاحسرتا ! یہ وبا کینسر کی طرح پھیلی اور بلدیاتی انتخاب سے مرکزی اور صوبائی انتخابات تک میں اسکے خوفناک مظاہر خود ہم نے دیکھے ـــــ

یہ تو سرکاری معاملہ ہے خود اہل علم کا حال یہ ہے کہ ایک خاص مسئلہ میں ایک خاص فتویٰ ایک طبقہ کے ذمہ دار عالم کی طرف سے آیا، ہمیں تعجب ہوا، ایک ملاقات پر ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی، ہماری درخواست تھی کہ آپ کے اداروں اور مساجد میں اس فتویٰ کا رواج ہو جائے تو بہت سے مسائل سلجھ جائیں گے ہم آخرت کی جوابدہی کے پورے احساس کے ساتھ عرض کر رہے ہیں کہ انہوں نے ایک مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہمیں جواب دیا :-

> علوی صاحب ! فتویٰ ہمارا ہے، صحیح بات وہی ہے جو فتویٰ میں ہے۔ لیکن ہو گا وہی جو اب ہو رہا ہے کہ آخر کچھ جماعتی مسائل ہوتے ہیں۔

ہم نے یہ سنا تو سر پیٹ کر رہ گئے، ہم نے محسوس کیا کہ ہماری قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ گئی اور ہم سوچنے لگے کہ جس قوم کے دینی اور علمی رہنماؤں کا یہ حال ہو، اس کا کیا بنے گا۔؟

زندگی میں ایک بار ایک صاحب کے بے حد اصرار و تقاضہ پر علماء کے ایک وفد کے ساتھ جنرل محمد ضیاء الحق سے ملاقات کا موقعہ ملا، اس موقعہ پر بھی اس مسئلہ کی سنگینی سامنے آئی اور ہم نے کچھ گذارشات پیش کیں جن کو بعد میں ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور جیسے وقیع دینی رسالہ میں ایک اڈیٹوریل نوٹ کے طور پر ہم نے لکھا کہ ہم اس زمانے میں اس سے وابستہ تھے ـــــ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہماری آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی، اور اس کے بعد ہی شاہی مسجد کا وہ المیہ رونما ہوا جس میں اگر ایک طبقہ کے مخلص افراد کی قربانی نہ ہوتی تو لاہور میں یقیناً تاریخی قتل و غارت ہوتا۔ لیکن اس کے بعد بھی کسی کی آنکھیں نہ کھلیں

اس وقت ملک نازک موڑ پر ہے ـــــ حکمتِ قرآن کے صفحات اس کے متحمل نہیں کہ سیاسی مسائل اور اس ضمن میں اٹھنے والے طوفانوں پر خامہ فرسائی کی جائے ـــــ ہم دین کے خادم، قرآن و سنّت کے طالب علم اور اسلاف کی عظیم روایات کے پابند انسان ہیں، ہمارے کانوں میں آج بھی اس صدی کے عظیم انسان اور مجدد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے وہ الفاظ گونج رہے ہیں جو انہوں نے اسارت مالٹا سے واپسی پر اپنے مخصوص خدام کو ارشاد فرمائے، جن میں قرآنی تعلیمات کو عام کرنے اور باہمی اختلافات کو مٹانے کی ضرورت پر زور دیا۔

ہم حکومت سے کیا کہیں ؟ وہ اندھی بہری تو نہیں ۔ اس کے ان گنت ادارے ہیں جن کے ذریعہ اسے لمحہ لمحہ کی خفیہ رپورٹیں ملتی ہیں۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، یہ کتنا سنگین معاملہ ہے ۔ اور یہ کہ اس کا انجام کیا ہو سکتا ہے

ہم نے جنرل ضیاء الحق صاحب کے منہ پر کہا، اس کے بعد مختلف حوالوں سے لکھا اور اب بھی کہتے ہیں کہ مختلف النوع سرکاری اور قومی اداروں میں فرقوں کی بنیاد پر نمائندگی کا سلسلہ یکسر ختم کیا جائے کہ یہ خوفناک کینسر ہے ، بلکہ اداروں کی ضرورت کے اعتبار سے اہلیت و صلاحیت کی بنیاد پر رجال کار کا تقرر کیا جائے، کیونکہ ان اداروں کا مقصد قومی اور ملّی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے نہ کہ طبقات اور فرقوں کے مسائل حل کرنے ہیں ـــــ اسی طرح ہماری دیرینہ خواہش ہے جس کا ہم اب بھی اظہار کرنا چاہیں گے اور اس پر اصرار کریں گے کہ میلاد سے لے کر سیرت تک اور اس نوع کے جملہ جلسے اور کانفرنسیں اور ان کے لئے رنگارنگ پوسٹر اور مساجد کے لاؤڈ اسپیکر، عرس اور مذہبی میلے، نیز مدارس کے سالانہ جلسے، یہ سب ایسی باتیں ہیں جن سے امّت کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو رہا ہے، تجربہ کے طور پر انہیں ۳ یا ۶ ماہ کے لئے یکسر بند کر دینا ضروری ہے

تاکہ اس کی روشنی میں نتائج کا جائزہ لیا جا سکے ——— لیکن یہ بات شاید ممکن نہ ہو اس لئے کہ ان باتوں کا موجود ہونا بلکہ انہیں اضافہ و ترقی حکومتی بزرجمہروں کے مفاد میں ہے۔ جنہیں احساس نہیں کہ جب موج اٹھے گی تو کون کون ڈوبے گا ؟

اگر موج اٹھی تو ڈوبو گے سارے
نہ تم ہی بچو گے نہ ساتھی تمہارے

حکومت کے ساتھ اہلِ علم اور مختلف طبقات کے ذمّہ دار افراد کو توجہ دلانا ہم فرض سمجھتے ہیں کہ

اے وارثانِ علوم نبوت اور اے مسند نشینانِ منبر و محراب اور اے ذمّہ دارانِ قوم ! آپ محسوس کریں کہ کبھی وہ دور تھا کہ اس معاشرہ پر تمہارے اتنے گہرے اثرات تھے کہ کوئی قدم تمہاری مرضی کے بغیر نہ اٹھایا جا سکتا تھا ——— یہ عزت تمہیں ملی تھی دینِ اسلام کے خادم کے طور پر۔ لیکن اس دین سے بے وفائی اور اس کے بجائے اپنے حزبی اور گروہی مفادات کی پاسداری و پاسبانی کے جذبہ نے تمہیں بے وقعت کر دیا ہے ۔ اللہ کے لئے سوچو، ان معاملات کو ختم کرو، قرآن و سنّت کی طرف رجوع کرو ۔ اس "عروہ وثقیٰ" کو مضبوطی سے تھام لو جو قرآن و سنّت کی شکل میں موجود و محفوظ ہے ——— دین تو حضور اقدس علیہ السلام کی زندگی میں مکمل ہو چکا تھا، نجات کے جو اسباب تھے ان کی نشان دہی ہو چکی تھی، بعد کی علمی، فکری کاوشیں اور تحریکیں بے شک ملّت کا سرمایہ ہیں لیکن ایسی نہیں کہ ان کی بنیاد پر تکفیر و تفسیق اور تضلیل کی گرم بازاری ہو ———

اگر ہماری ان ناچیز گذارشات کی طرف آپ نے توجّہ کر کے ان کو اپنا لیا تو آپ یقین کریں کہ آپ کا کھویا ہوا وقار اور عزت آپ کو واپس مل جائے گی ۔ ورنہ ہر نیا دن اس المناکی میں اضافہ کا سبب ہو گا ———

اٹھو دگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا !

●●●●●●●●●●●●●

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن پڑھیں اور پڑھائیں